ہمارا قرآن اور ہم

از

مولانا الحاج ابو الخیر محمد خیر اللہ صاحب نوسی القادری المحمدی (ورنگل)

اصلاح حال امت کے بہت سودے ہیں جو بہی خواہان قوم کے سروں میں سمائے ہوئے ہیں بہت سی نارسا فکریں ہیں جو بلا انتظار نتائج محو تفاخر بھی ہیں۔ آج بعض شناسان علالت قومی نے اپنی جگہ بہت سے نسخے تجویز کر رکھے ہیں جن کو یورپ کے قرابادین سے تلاش کیا گیا ہے اور وہ اس مریض بے درمان کو بار بار حل کر کے پلائے بھی گئے مگر دادِ مسیحائی نہ ملنی تھی نہ ملی کیونکہ وہ موافق مزاج ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے۔ شافی مطلق نے جو نسخہ شفا اس مریض کے لئے ازل سے تجویز فرمایا تھا۔ وہ وہی تھا جس نے اپنا مفید و مجرب ہونا ساری دنیا کو تسلیم کرا دیا تھا۔ وہ سرچشمہ رحمت الٰہی کا جرعۂ جان بخش تھا جس کو پی کر لاکھوں مردے زندہ ہو چکے تھے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔

ہماری بدحواسی کا کیا ٹھکانا ہے کہ ہم اپنی صحت و عافیت کے لئے اس آزمودہ اور مجرب نسخہ کی جانب بھولے سے بھی توجہ کرنا نہیں چاہتے۔ اگر کبھی کوئی متوجہ کرا دے تو اس کی اس ہمدردی کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ سبب عارض و مرض لاحق سے اس نسخۂ شفا کو کوئی تعلق یا نسبت ہی نہیں ہے۔ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ۔ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۔

یہ داستان غم طویل اور دردناک ہے اور یہ مختصر مضمون اس طول داستان کا تحمل بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس جگر خراش سلسلہ سے قطع نظر کر کے کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

ہماری آیندہ ترقی کے خواب اگر اپنی کوئی صحیح تعبیر ہمکو بتا سکتے ہیں۔ تر دو فلاح و فکر اصلاح اگر اپنے صحیح معیار پر قائم ہو سکتے ہیں تو اس کی صرف یہی ایک راہ ہے کہ ہم اپنی نشارۃ اولیٰ پر پورے نہماک کے ساتھ نظر رکھیں اور یہ دیکھیں کہ ہماری ابتدا کس طرح ہوئی تھی ہم اس پر غور کریں کہ ایک بے آب وگیاہ ریگستان ایک تق و دق دشت و بیابان کے بسنے والے خانہ بدوش۔ اُمّی نا آشنائے تہذیب و تمدن پھر عرب آناً فاناً کیسے ساری دنیا پر چھا گئے؟ وہ کیا تھا جس نے قیصر و کسریٰ کے تخت کو تاراج کر دیا، اینٹ سے اینٹ بجادی؟ سارے عالم پر اپنا سکہ بٹھا یا؟ وہ کس کی ہیبت و صولت تھی جس سے مشرق و مغرب کانپ اٹھے تھے؟ وہ کونسا عمل تسخیر تھا جس کو پڑھکر عرب کے چرواہوں نے دنیا پر حکومت کرنا سیکھا تھا، اور دنیا والوں کو جہانداری و جہانگیری کے گُر بتائے تھے؟ وہ کونسی تعلیم تھی جس نے دنیا میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا؟ وہ کونسا گھر تھا جس میں طفل تہذیب نے جنم لیا تھا؟ وہ کونسا کالج تھا جس کی تربیت و تعلیم و تمدن آفریں ثابت ہوئی؟ وہ کس کی آغوش ناز تھی جس میں پرورش پاکر ترقی عالم کا یہ موجودہ سلسلہ یوں و مم خم دکھا رہا ہے؟ وہ کونسا خاندان ہے جس سے دنیا کی اس تہذیب کا سلسلۂ نسب جا ملتا ہے؟ ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے کہ معدودے چند بادیہ نشین جنہوں نے زمین و آسمان کو ہلا دیا تھا وہ کس زمین کے نشو و نما یافتہ تھے کس کی سرکردگی میں ان سے یہ کارنامے ظاہر ہوئے؟ کس قانون نے ان سے یہ نظام قائم کرایا کس ضابطہ نے ایک صحرائی اور وحشی زندگی کو یوں مہذب بنایا؟ کیا اس کا جواب قرآن! قرآن! قرآن!!! کے سوا تاریخ عالم کچھ اور دے سکتی ہے۔؟

پھر ہم خود یہ کیا کہے جا رہے ہیں کہ اسلام عروج و ترقی کا حامی نہیں ہے۔ اس کے قوانین کی حکم برداری مانع ترقی و تمدن ہے۔ ہم جب تک احکام اسلام کے جوئے کو اپنی گردن سے نہ اتار پھینکیں اس وقت تک یہ دنیا ہماری نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ جا چکا ہے وہ اسی مجبوری سے کھویا گیا اور جو باقی ہے وہ بھی اسی نقص کی بدولت حوالہ دستبرد زمانہ ہونے کو ہے وغیرہ۔

اگر یہ صحیح ہے تو اسلامیت نے دنیا پر اس قدر مدت مدید تک اسی قانون الٰہی کے تحت کیسی پرشوکت وعظمت حکومت کی تھی؟ کس طرح سارے عالم میں اپنا اجالا پھیلایا تھا؟ کس طرح تقویم پارینۂ عالم کو مٹا کر زندگی کا ایک نیا پروگرام دنیا کے سامنے پیش کیا تھا؟ اور کس قوت پر یہ دعوی کیا گیا تھا کہ تاقیام دنیا اس کے اصول وضوابط مسلمانوں کی قومی دینی اور دنیوی کے کفیل رہیں گے؟

کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ اسی قرآن حکیم کے ایک شاگرد رشید فاروق اعظمؓ نے اسی قانون وضابطۂ الٰہی کے سامنے زانوے ادب تہہ کر کے اس کے تیس پاروں کی روشنی میں سیاست دانی کا وہ عملی ثبوت دیا تھا جس کی نظیر آج تاریخ میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتی؟ صرف دس بیس سال کے اندر تعلیم قرآنی کے تحت تاریخ عالم کا الٹ دینا ساری دنیا کو تو انگشت بدندان کر سکتا ہے۔ مگر کیا یہ اندھیر نہیں ہے کہ مسلمانوں کی آنکھیں آج اسے دیکھ بھی نہیں سکتیں؟

دورِ حاضر کے تمدن اور عہد رواں کی تہذیب نے ایسے کتنے سررشتے اور صیغے حکمرانی کے بنائے ہیں جن کی داغ بیل حضور فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں نہیں ڈالی تھی۔ سیاست مدن، نظم ونسق مملکت، قواعد وضوابط سلطنت غرض وہ دستور فاروقی جو آج آپ کی سوانح طیبہ میں بہ تفصیل موجود ہے کس تعلیم کا نتیجہ تھا؟ کیا وہ اس قرآنی یونیورسٹی کے سوا کسی اور تعلیم گاہ کا رہین منت ہے؟ کیا حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا وہ کسی اور تربیت کا شرمندۂ احسان ہے؟

کیا عزم وثبات، جرأت واستقلال فاروقی کے سبق کسی اور معلم سے ملے تھے؟ بصائر وعبر قومی تعمیر کے درس کیا قرآن کے سوا کسی اور کتاب نے دنیا کو سکھائے تھے؟

ہاں رونا ہے تو اس کا کہ آپ نے قرآن میں ان خزاین السمٰوٰت والارض کو دیکھا ہی نہیں آپ کا معاملہ تو اس خصوص میں لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا واقع ہوا ہے یعنی دل ودماغ ضرور ہیں مگر غور وفکر کا مادہ سلب ہو چکا

ہے۔ کان بھی ہیں آنکھیں بھی ہیں۔ مگر دیکھے اور سنے کون ؟

حیرت ہے کہ ہم اپنے دنیا کے کاروبار کے ذرا ذرا سے معاملہ میں اسی دل و دماغ اسی آنکھ کان اور اسی فہم و فراست سے وہ وہ کام لیتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو ہماری عقل و دانش پر رشک ہونے لگتا ہے۔ مگر ان سے کام نہیں لیتے تو اپنے دین و آخرت کے معاملہ میں خاموش ہیں تو تعلیم قرآن کے بارے میں۔

افسوس صد افسوس! آج ہم اس نعمت قرآنی دولت ایمانی ثروت دوجہانی کے ساتھ جس بے اعتنائی کو برت رہے ہیں جس غفلت میں مبتلا ہوگئے ہیں وہ عالم اسلام کا ایک حادثہ عظیم ہے۔ ان آنکھوں کو کہاں تلاش کیجئے جو اس رنج و غم میں اشک ریز ہوں ؟ وہ ہاتھ کہاں ملیں گے جو اس ماتم میں سینہ کوبی کے نظارے دکھا سکیں ؟ وہ مجلسیں کہاں ہیں جو ضیاع ملت میں صف آرائے عزا ہو سکیں ؟ پھر آہ وہ دست تدبیر کہاں ہے جو ہماری آنکھوں سے اس پردہ غفلت کو الٹ دے ؟ اس طبیب مہربان کا کیا پتہ ہو جو مرہم نہ جراحات جگر ہو سکے ؟ وہ کونسا دماغ ہے جس میں اس مرہم سامانی کے لئے کوئی فکر و تردد کار فرما ہو وہ ناخن تدبیر کہاں جو گرہ کشائے کار ثابت ہو جائے ؟

ہمارے فساد کار کا یہی ایک موجب اور زوال قومی کا یہی واحد باعث ہے کہ ہم نے خدا کی دی ہوئی قرآنی تعلیم کو چھوڑ دیا۔ آج اس سے کوئی کیونکر انکار کر سکتا ہے کہ جب سے ہم نے اسے چھوڑا ہے زمانہ نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا جب سے ہم نے اس مولیٰ کے کام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس نے بھی ہم کو بھلا دیا۔

حدیث میں ارشاد ہے کہ ساری عبادتوں سے بہتر عبادت تلاوت قرآن ہے جب کہ وہ نماز میں کھڑے ہو کر کی جائے۔ جناب علی مرتضیٰ فرماتے ہیں۔ جو شخص کھڑا ہو کر نماز میں قرآن پڑھے اس کو ہر حرف کے بدلے سو سو ثواب ملیں گے۔ اور بیٹھکر پڑھنے والے کے لئے ۵۰۔ ۵۰ اور نماز کے سوا باوضو

قرآن پڑھنے والے کو ۲۵ - بے وضو (قرآن کو بلا چھوئے) پڑھنے والے کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب سودا کرنا ہی ہے تو زیادہ نفع کا کیوں نہ کیا جائے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا کوئی فرشتہ یا پیغمبر قیامت کے دن خدا کے ہاں قرآن سے زیادہ شفیع نہیں ہوگا۔ ایک دفعہ ارشاد ہوا دلوں میں لوہے کی طرح زنگ لگ جاتا ہے۔ صحابۂ کرام نے باادب عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر وہ چھوٹتا کس طرح ہے جواب عطا ہوا قرآن پڑھنے اور موت کو یاد کرنے سے۔

فرمایا جو بندہ تلاوت قرآن میں مصروف ہو کر دعا نہ مانگ سکے خداوند تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اس کو (اس مصروفیت کے طفیل میں) بے مانگے اتنا دوں گا جتنا مانگنے والوں کو نہیں ملتا (کیمیا)

جب وہ ہادی کونین صلعم دنیا سے پردہ فرمانے لگا تو ہمیں یوں وصیت فرمائی تھی۔

ترکت فیکم الواعظین صامتًا وناطقًا الصامت الموت والناطق القرآن (الحدیث)

یعنے میں اپنے پیچھے تم لوگوں میں دو واعظوں کو چھوڑے جا رہا ہوں جن میں ایک خاموش واعظ "موت" اور دوسرا گویا واعظ "قرآن" ہے۔

واعظ خاموش موت کی تو ہم ایک نہیں سنتے حالانکہ اس کے وقت کا کچھ ٹھیک نہیں ہے وہ کہکر نہیں آتی۔ وہ دھوکے سے شکار کھیلتی ہے خلاف توقع (جس کو لوگ غلطی سے "بے وقت" کہتے ہیں) آ دبوچتی ہے ممکن ہے کہ ابھی آ جائے یا شام تک۔ وہ ہم سے بہت قریب بلکہ سر پر سوار ہے مگر ہم اس سے بہت بے خبر اور تغافل شعار ہیں۔ جب تک ہم کسی عزیز قریب کا جنازہ نکلتے نہ دیکھ لیں اس کا کوئی کھٹکا ہی نہیں ہوتا اور جو ہوتا بھی ہے تو چند لمحوں سے زیادہ کا نہیں۔

رہا وہ دوسرا بولتا چالتا واعظ "قرآن" افسوس صد افسوس کہ اس سے ہمارا کوئی علاقہ ہی نہ رہا ہمنے تو اس کو طاق نسیان کا گلدستہ بنا رکھا ہے وہ تو اس وقت تک مخمل و کمخواب کے غلافوں سے باہر نہیں نکلتا جب تک گھر کے کسی مرنے والے کے سرہانے یاسین خوانی کی ضرورت داعی نہو۔ یا اس کے

سوم وچہلم میں ایصال ثواب کی نہ ٹھیرے۔ یا نور نظر و لخت جگر کی بیماری میں اس کو ہوا دینے اور دم کرنے کی حاجت درپیش نہ ہوجائے یا قرۃ البصر کے دفع آسیب کے لئے کسی آیت کو تعویذ بنانے کی یا کٓھٰیٰعٓصٓ کا فتیلہ جلانے کی ضرورت نہ پڑ جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

غرض کسی وجہ سے کبھی کچھ پڑھ بھی لیا تو معنی و مطلب سے کوئی واسطہ ہوتا ہے نہ غور و تدبر سے کوئی سروکار۔ حالانکہ اس فرمان واجب الاذعان کا نازل فرمانے والا بار بار پکارے جارہا ہے کہ تم اسے سمجھو اور غور کرو کہ اس کے نزول کی غرض محض تمہارا استفادہ اور اصلاح حال ہے۔ اور اسی لئے ہم نے اس کو آسان کر دیا ہے۔ پھر کوئی ہے جو اس کو سمجھے اور فائدہ اٹھائے؟ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ اس ارشاد باری کی ہماری نظروں میں کوئی وقعت ہی نہ رہی سارے فساد کی یہی جڑ اور ساری خرابیوں کا یہی ایک سرچشمہ ہے نہ ہم اس سے بے اعتنائی کرتے نہ یہ روز بد دیکھتے۔ آج ترجموں اور تفسیروں کی کمی نہیں ہے۔ کمی ہے تو ہماری توجہ کی۔ کمی ہے خانہ برباد غفلت سے ہمارے بیدار ہونے کی۔ قرآن نے حین نزول کفار کی شان میں فرمایا تھا۔

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا" کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب پر غور نہیں کرتے یا اُن کے دلوں پر قفل لگے ہیں۔

مگر وائے بدقسمتی کہ یہ سوال آج خود ہم مسلمانوں کے مقابلہ میں ہونے لگا ہے نیرنگی دوران نے کیا سے کیا کر دیا۔ نکر بگڑنے کی یہ بھی کوئی حد ہے کہ قلب ماہیت ہی ہو کر رہے (اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْن

———(...)———